ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.02 (2025)

# حسن رضوی کے انٹرویوز: گفت وشنید کے تناظر میں

# HASAN RIZVI'S INTERVIEWS: IN CONTEXT OF NEGOTIATION

**ایاز علی جراح**
لیکچرار، شہید بینظیر بھٹو، یونی ورسٹی، نواب شاہ
**پرویز احمد**
اسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ ڈگری کالج، کنڈیارو
**عبدالجبار پٹھان**
لیکچرار، گورنمنٹ ڈگری کالج، کنڈیارو

**Ayaz Ali Jarah**
Lecturer, SBBU,SBA Nawabshah
**Perwaiz Ahmed**
Assistant Professor, GDC, Kandiaro.
**Abdul Jabbar Pathan**
Lecturer, GDC, Kandiaro.
**Corresponding Author:** perwaiz333@gmail.com

**Abstract.**

*Guft-o-Shaneed", meaning *"Dialogue" or "Conversation", is a reflective and analytical work by Hassan Rizvi. The book explores various aspects of Urdu literature, language, culture, and criticism through a dialogic and thought-provoking style. Rather than presenting ideas in a didactic tone, the author uses conversation as a medium to engage readers intellectually.The book offers insightful reflections on renowned Urdu literary personalities such as Allama Iqbal, Faiz Ahmed Faiz, Altaf Hussain Hali, and Firaq Gorakhpuri. Rizvi evaluates their creative legacy, philosophical depth, and contributions to Urdu literature.*

*Rizvi examines the intricate relationship between literary creation and critical evaluation. He argues that criticism is not just analysis but a creative act in itself. He emphasizes that constructive criticism is essential for the development of literature.*

*The reader is not a passive recipient in Rizvi's view. Instead, the book highlights the active role of readers in interpreting literature. A piece of writing gains meaning when engaged critically by its audience.There is a deep exploration of the evolution of the Urdu language, including its contemporary expressions, regional influences, and the shift in literary tone over time. Rizvi advocates for clarity and precision in literary language.Literature is viewed as a mirror of society. Rizvi discusses how literature both shapes and reflects cultural and societal values. This section connects literary production with social consciousness.*

*Rizvi provides a concise overview of major critical approaches in Urdu, such as structuralism, psychological criticism, Marxist criticism, and socio-political critique. He evaluates their relevance and application in the Urdu literary context.*

*The central stylistic approach of the book is dialogue itself. Rizvi sees dialogic thinking as a means to broaden intellectual horizons, challenge assumptions, and deepen our understanding of literary texts.*

*"Guft-o-Shaneed" is more than a book on literary theory — it is a stimulating intellectual journey. Hassan Rizvi invites readers to think critically about literature, language, and society. His*

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR

**CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW**
Vol.03 No.02 (2025)

*conversational style makes abstract concepts accessible, while his deep literary insight enriches the reader's understanding of Urdu criticism and esthetics.*
**Key words :**Rizvi . Literary . Quot .urdu . Critisium .Language . Readers .

حسن رضوی کا مکمل نام "سید حسن عباس رضوی تھا۔ آپ ۱۸ اگست ۱۹۴۶ء کو انبالہ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے لاہور اورینٹل کالج سے ایم اے کیا اور بعد ازاں پنجاب یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ حسن رضوی ایک اعلیٰ پایہ کے ادیب ثابت ہوئے۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ نے ایف۔ سی کالج لاہور میں شعبہ اردو کے سربراہ کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ اس کے علاوہ آپ خلیل الرحمٰن میموریل سوسائٹی کے چیئر مین بھی رہے۔ آپ نے اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں شاعری کی اور صحافت کے مختلف شعبوں میں مختلف عہدوں پر خدمات سر انجام دیتے رہے۔ آپ روزنامہ جنگ کے ادبی ایڈیشن کے انچارج تھے اور علاوہ ازیں آپ نے ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے لیے بھی مختلف عہدوں پر کام کیا۔ آپ کو حکومت پاکستان کی جانب سے آپ کی ادبی خدمات پر صدارتی تمغۂ حسن کارکردگی ۱۹۹۱ء میں ملا۔ آپ کی مشہور تصانیف میں، کبھی کتابوں میں پھول رکھنا، کوئی آنے والا ہے، اس کی آنکھیں شام، خواب سہانے یاد آتے ہیں، دیکھا ہندوستان، ہرے سمندروں کا سفر، چینیوں کے چین میں، اقبال کے فکری آئینے، گفت وشنید، خیالات اور ہم کلامیاں شامل ہیں۔

حسن رضوی نے شاعری بھی کی، تنقید بھی اور تحقیق کے میدان میں بھی پیش پیش رہے اس کے علاوہ آپ نے سفر نامے، رپورٹ نگاری اور دیگر اصناف ادب پر بھی طبع آزمائی۔ آپ ایک بہترین مصاحب تھے اور اپنی زندگی میں بہت سے کامیاب انٹرویو بہت خوش اسلوبی سے لیے اور باقاعدہ آپ کے انٹرویوز کے مجموعے، ہم کلامیاں اور گفت وشنید کے عنوان سے شائع ہوئے۔ لیکن ہم صرف ان کے انٹرویوز کے مجموعے گفت وشنید پر روشنی ڈالتے ہیں۔ گفت وشنید" حسن رضوی کے انٹرویوز کا مجموعہ ہے جو ۱۹۹۰ء میں سنگ میل پبلی کیشنز لاہور کی طرف سے شائع ہوا۔ اس میں ۳۳ مشہور ادبی شخصیات کے مصاحبے ہیں جو ۳۲۱ صفحات پر مشتمل ہیں۔ یہ مکالمے یا مصاحبے پاکستان اور بیرون پاکستان کے اہم معاصر ادیبوں کے ہیں اور ان میں سے بہت سے روزنامہ جنگ لاہور میں شائع ہو چکے ہیں۔

بقول حسن رضوی:

> " ان مکالموں کی تحریک مجھے روزنامہ جنگ لاہور کا ادبی ایڈیشن مرتب کرتے ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں سے بیشتر روزنامہ جنگ لاہور کے جریدہ ادب وثقافت میں شائع ہو چکے ہیں۔ یہ انٹرویوز نہ صرف پاکستان بلکہ بھارت اور دیگر ممالک کے ادبی حلقوں میں بے حد پسند کئے گئے اور ان میں سے بعض مکالموں پر تو بہت سی بحثیں بھی چل نکلیں۔"(۱)

گفت وشنید جہاں ایک مصاحبوں کے مجموعے کی حیثیت رکھتی ہے وہاں وہ زیر قلم شخصیات کی سوانح اور فن کو سمجھنے کا بھی ذریعہ ہے۔ یہ مکالمے ادبی شخصیات کی زندگی کے مختلف پہلو اور مختلف نظریہ حیات یا فلسفوں کو ظاہر کرتے ہیں اور ان کی حیات کے متعلق بہت کچھ جاننے اور سیکھنے کا اہم ذریعہ ہے۔ یہ معلومات سے بھرپور کتاب ہے جو ادبی زندگی میں خاص اہمیت کی حامل ہے۔ اس میں ادیبوں کی فنی صلاحیتیں، اور ان کے نجی، معاشرتی اور ادبی رجحانات پر گفتگو کی گئی ہے۔

حسن رضوی رقم طراز ہیں:

> "میں نے جن ادیبوں سے مکالمہ کیا اپنے تیئں پوری کوشش کی کہ ان کی شخصیت اور فن کے تمام نہ سہی لیکن کچھ اہم پہلو بہر طور اجاگر ہوں۔ میں اپنی اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں اس کا فیصلہ آپ بہتر کر سکتے ہیں اگر ان مکالموں کی وساطت سے معاصر ادیبوں کے نجی، معاشرتی اور ادبی رجحانات کی تقسیم بخوبی ہو پائی اور معاصر ادب پر تحقیق کرنے والوں کے لئے نئی جہتیں منکشف ہو سکیں تو میں سمجھوں گا کہ یہ ہی میر اصلہ ہے اور یہی میر ااعزاز!۔"(۲)

گفت وشنید میں حسن رضوی کی جن ادیبوں سے گفتگو شائع ہوئی ہے ان کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ احمد ندیم قاسمی

۲۔ مجروح سلطان پوری

۳۔مالک رام

۴۔ڈاکٹر محمد حسن

۵۔امرتا پریتم

۶۔ڈاکٹر وحید قریشی

۷۔رام لعل

۸۔قتیل شفائی

۹۔سریندر پرکاش

۱۰۔عبداللہ حسین

۱۱۔منیر نیازی

۱۲۔وارث علوی

۱۳۔انیس ناگی

۱۴۔بخش لائل پوری

۱۵۔کشور ناہید

۱۶۔افتخار عارف

۱۷۔ساگر سرحدی

۱۸۔ڈاکٹر آغا سہیل

۱۹۔ڈاکٹر شارب ردولوی

۲۰۔سید عاشور کاظمی

۲۱۔عطاء الحق قاسمی

۲۲۔مریم سلگانیک،الماس بیکف

۲۳۔ڈاکٹر انور سدید

۲۴۔مستنصر حسین تارڑ

۲۵۔ڈاکٹر سہیل احمد خاں

۲۶۔محمود ہاشمی

۲۷۔کرتار سنگھ دگل

۲۸۔جاوید شاہین

۲۹۔یونس جاوید

۳۰۔مغنی تبسم

۳۱۔ذہین نقوی

خوبصورت انداز بیاں:

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.02 (2025)

اس میں ان کا سب سے پہلا مکالمہ احمد ندیم قاسمی سے ہے۔ جس میں حسن رضوی نے نہ صرف واضح اور مبہم سوال پوچھے بلکہ ان کے جوابات کو اس خوبصورتی سے تحریر کیا کہ یہ کوئی تحریری مصاحبہ معلوم نہیں ہوتا بلکہ ایسا لگتا ہے جیسے ہم لائیو گفتگو سن رہے ہیں۔ آپ نے مصاحبوں کے دوران ان کی زندگی کے تمام خاص پہلوؤں پر گفتگو کی۔ آپ کا سب سے پہلا سوال ادبی سفر کے متعلق تھا۔ جسے پوچھنے کا انداز انتہائی خوبصورت اور قابل تعریف ہے۔

لکھتے ہیں:

" ہمارے ہاں بیشتر ایسے ادباء موجود ہیں جن کا تعلق چھوٹے شہروں سے ہے۔ آپ بھی پنجاب کے ایک چھوٹے سے قصبے "انگہ" میں پیدا ہوئے۔ یہ فرمایئے کہ آپ نے اپنے قصبے سے ادیب بننے تک کا سفر کیسے طے کیا؟"(۳)

انداز بیاں کی خوبصورتی صرف سوال میں ہی نہیں بلکہ ادیبوں کے جو جواب آپ نے تحریر کیے اس میں بھی عیاں ہے۔ انٹریو کو لکھنا کوئی آسان کام نہیں جیسے جیسے کسی انسان نے بولا اس کے الفاظ کو جوں کے توں بیان کرنا کوئی آسان امر نہیں ہے۔ یہ تپتی دھوپ میں پہاڑوں پر چڑھنے کے مترادف ہے اور بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ ایک صحافی کو چاہئیے کہ وہ نہایت ایماندار ہو اور معاملات کو جوں کے توں بیان کرے لیکن مصاحبہ نگاری میں یہ امر بہت مشکل ہے کیونکہ لکھنے والا بولنے والے کے بہت سے جملوں کو تحریر کرنے سے قاصر رہتا ہے اور بہت سی باتیں جو سننے میں سمجھ نہ آئی ہو۔ جیسے ہی الفاظ کا ذرا ہیر پھیر ہوا الفاظ یا جملوں کا مطلب بدل جاتا ہے اور یہاں مصنف کو چاہئیے کہ وہ ایمانداری سے ماحول کو خراب ہونے سے بچائے اور اتنی ہی بات تحریر کرے جتنی اس کو جواب میں سمجھ آئی یا سوال کے جواب کے لیے ضروری تھی۔ مغالطہ جہاں انٹرویو دینے والے کی ساکھ پر اثر انداز ہوتا ہے ویسے ہی انٹرویو لینے والے کی بھی وزت و مقام پر اس کا گہرا اثر پڑتا ہے۔ لہٰذا حسن رضوی نے اس ذمہ داری کو بخوبی نبھایا ہے اور ان کے جوابات تحریر کرنے میں بہت زیادہ محنت اور فوکس نظر آتا ہے اتنے طویل جوابات کو درست لکھ دینا بہت مہارت کا کام ہے وگرنہ ایسے معاملات میں غلطی کا امکان بہت زیادہ ہوتا ہے۔ حسن رضوی اپنے الفاظ اور انداز کی خوبصورتی میں معروف تھے اور کوئی بھی صحافی یا ادیب تب تک مکمل نہیں ہوتا جب تک اس کا انداز بیاں دلچسپ، منفرد اور دل آویز نہ ہو۔

ڈاکٹر محمد حسن کا ایک جواب حسن رضوی یوں لکھتے ہیں:

" یہ سادگی اور غیر معمولی سادگی کبھی مفید نہیں ہوتی۔ ترقی پسند تنقید کا یہ شروع سے خیال تھا کہ اگر اس کو زندہ رہنا ہے تو اسے تغیر پزیر ہونا چاہئیے۔ اگر وہ تبدیلی سے دامن بچاتی رہی تو ترقی پسند نہیں رہے گی۔ اب اگر اختر حسین رائے پوری کی جو رائے اقبال کے بارے میں تھی اگر کوئی اس کو پکڑ کر بیٹھ جائے تو یہ بات صحیح نہیں ہو گی۔ خود مارکسزم جو ترقی پسند تنقید کی اعلیٰ شکل ہے اس میں بھی بہت سی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ کاڈویل کے زمانے سے لے کر گولڈ میں کے زمانے تک بہت کچھ ہو چکا ہے۔"(۴)

## سوالات میں تفصیل:

حسن رضوی کی خاصیت تھی کہ وہ سوال پوچھتے تو اس کی تمہید بھی باندھتے، وہ نہ تو غیر ضروری سوال پوچھتے نہ ہی ان کے سوالات میں تشنگی کا عنصر ہوتا اور نہ ہی وہ ایسے سوال پوچھتے جن کو سمجھنا مشکل ہو اور اس کی نوعیت کا اندازہ نہ ہو۔ آپ کے سوال مفصل اور منفرد نوعیت کے ہوتے اور سوال واضح اور آسان الفاظ پر مشتمل ہوتا۔

آپ کے سوالات کی تفصیل اور طوالت کی دلیل میں احمد ندیم قاسمی کے ساتھ مکالمے سے اقتباس ملاحظہ کیجیے:

"آپ کا تعلق ایک خالصتاً مذہبی گھرانے سے ہے پھر آپ نے انجمن ترقی پسند مصنفین میں شمولیت اختیار کی، اس زمانے میں ترقی پسندوں کو لادین کہا جاتا تھا اور ان میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جنہیں مذہب سے کوئی سروکار نہ تھا۔ آپ کو اس انجمن میں شامل ہونے کی تحریک کیسے ہوئی؟"(۵)

مالک رام سے انٹرویو میں حسن رضوی اس طرح سے مفصل سوال کرتے ہیں:

"نہ صرف یہ کہ ہندوستان بلکہ پاکستان کے پڑھے لکھے لوگ بھی آپ کے معرف ہیں۔ آپ نے بہت کام کیا ہے۔ ہمارا مزاج ہی ایسا بن گیا ہے کہ سنجیدہ کام کرنے والے لوگون کی تعریف کرنے کی بجائے ان کی خامیاں تلاش کرنے پر ہی سارا زور صرف کر دیا جاتا ہے۔ میں نے شاہد اعظمی کی کتاب دیکھی ہے، جس میں آپ کو نشانہ بنایا گیا ہے اور بہت سے اعتراضات اٹھائے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ کتاب آپ کی نظر سے گزری ہو گی، کیا آپ اس کتاب کا صحیح پس منظر اور اصل صورتحال بتائیں گے؟"(۶)

سادہ و سلیس الفاظ کا استعمال:

آپ کے سوال مفصل ہوتے اور واضح بھی ہوتے وہاں دوسری جانب آپ نہایت سادہ اور سلیس الفاظ استعمال کرتے۔ آپ کی زبان کی سادگی ہی گفتگو کو خوبصورت بناتی ہے اور گفت وشنید پڑھنے والے کو نہ تو سوال سمجھنے میں مشکل ہوتی ہے نہ ہی جواب سمجھنے میں دقت محسوس ہوتی ہے۔ دوادیبوں کا ایک سادہ دلی اور سادہ الفاظ پر مشتمل مصاحبوں پر مشتمل کتاب ہے جس میں معلومات بھی ہے اور فکشن بھی۔

آپ کے سوالات کی سادگی و سلاست کے لیے اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

"اس وقت برصغیر پاک وہند میں جو ادبی صورتحال ہے، یہاں جو افسانہ لکھا جارہا ہے، جو شاعری ہو رہی ہے اور جو تحقیقی کام ہورہا ہے، اس کے بارے میں کچھ فرمایئے؟"(۷)

امرتا پریتم چونکہ ساحر لدھیانوی سے بے حد محبت کرتی تھیں۔ لیکن امرتا نے ان کو کھو دیا تھا۔ لہٰذا امرتا پریتم سے انٹرویو میں ساحر لدھیانوی کے متعلق سوالات کو نہایت سادگی سے پوچھتے ہیں۔

لکھتے ہیں:

"کیا آپ نے ساحر کو محبت میں مکمل انسان نہیں پایا؟"

ایک اور جگہ پوچھتے ہیں:

"آپ کو ساحر کے نہ ملنے کا کوئی ملال بھی ہے؟"

ایک اور مقام پر مظفر وارثی سے انٹرویو کرتے ہوئے سادگی کا مظاہرہ اس طرح سے کرتے ہیں، پوچھتے ہیں:

"آپ نے اپنی تخلیقی زندگی کی ابتداء غزل سے کی تھی؟"(۸)

گفت وشنید میں جیسے سوال اتنے سادہ اور سلیس ہیں ویسے ہی ادیبوں کے جوابات میں بھی سادگی اور سلاست نظر آتی ہے۔سادہ الفاظ میں زیادہ بات کرنا مشہور ادیبوں کی خاصیت ہے اس لیے جیسے حسن رضوی نے سادہ اور واضح سوالات پوچھے اسے جواب بھی ویسے ہی ملے، جواب کو سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔جس خوبصورتی سے ادیبوں نے جوابات دیے اسی سادگی سے حسن رضوی نے ان جوابات کو جمع کیا اور گفت وشنید جیسی معرکہ آراء کتاب میں درج کیا۔

انیس ناگی کہتے ہیں:

"قاسمی صاحب نے اچھے افسانے لکھے ہیں۔کرشن چندر نے شروع میں کچھ افسانے لکھے لیکن ان کا عبرتناک انجام سب نے دیکھا کہ وہ شمع میں جس قسم کی تحریریں لکھا کرتے تھے۔انہیں ادب کہنا زیادتی ہے۔علی سردار جعفری بالکل پھکڑ ادیب ہے۔جس نے سب سے زیادہ پولرائزیشن پیش کر رکھی تھی،انہوں نے ترقی پسند اور غیر ترقی پسند کے لئے ایک خاص قسم کی مہر بنائی ہوئی تھی کہ فلاں ایسا ہے اور فلاں ایسا نہیں ہے۔ان کا نام تو ترقی پسند کے حوالے سے چلتا ہے لیکن ان کی شاعری بے جان،پھسپھسی اور نعروں سے بھری ہوئی ہے۔"(۹)

معلومات کا خزانہ:

حسن رضوی کے مصاحبوں نے بے شمار معلومات کا خزانہ دفن ہے۔اپ سوال پوچھتے ہوئے بھی بہت سی معلومات کا تبادلہ کرتے،آپ کا آدھے سے زیادہ سوال معلومات پر مشتمل ہوتا تھا۔آپ جو سوال پوچھنا چاہتے اور جس ادیب سے پوچھنا چاہتے تھے تو اس ادیب اور اس سوال سے متعلق آپ کو پہلے سے جو معلومات ہوتی آپ اس کا اظہار کرتے اور گفت وشنید کے جوابات میں جتنا علم ہے اتنا ہی علم اس کے سوالات میں بھی مخفی ہے۔

اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

"پاکستان اور انجمن ترقی پسند مصنفین کا جو کردار رہا ہے اور آپ کو جن حالات میں سیکرٹری جنرل منتخب کیا گیا اور اس کے بعد جب انجمن بین کر دی گئی اور آپ گرفتار ہوئے،تب آپ بر سر روزگار بھی نہ تھے اور آپ کو جیل بھیج دیا گیا۔آپ ان حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ فرمائیے کہ انجمن ترقی پسند مصنفین کی تحریک پاکستان میں کیوں نہیں پنپ سکی؟"(۱۰)

درج بالا اقتباس میں حسن رضوی کا سوال اور ان کے سوال میں موجود معلومات صاف نظر آتی ہیں۔یہ تمام تر معلومات آپ کے ذہین وفطین ہونے کے ساتھ ایک محنتی ور پر جوش محقق اور ایک نا قابل فراموش ادیب ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

ایک اور مقام پر رقم طراز ہیں:

"آپ انجمن ترقی پسند مصنفین کے پاکستان کے آخری سیکرٹری جنرل بھی تھے۔اس زمانے میں آپ کے کلام کو جتنا سراہا گیا وہ تاریخ کا آخری حصہ ہے۔اس سلسلے میں پروفیسر ممتاز حسین کا مضمون ہے،حمید اختر نے کال کوٹھڑی میں آپ کا ذکر کرتے ہوئے آپ کو ترقی پسند مصنفین کی انجمن کا ستون قرار دیا۔آپ کی شاعرانہ عظمت کا اظہار بھی کیا گیا۔جب آپ کو جیل میں کلاس دی گئی تھی اس پر بھی احتجاج ہوا تھا۔اب سبط حسن مرحوم،حمید اختر،عبداللہ مالک،اور دیگر ادیبوں نے ترقی پسند تحریک کے احیاء کی نئے سرے سے کوشش کی ہے۔آپ نے فرمایا کہ اسلام سے آپ کی محبت ادیبوں کے لئے

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.02 (2025)

قابل اعتراض تھی اور وہ اب بھی یہی سمجھتے ہیں کہ آپ کی نظریاتی مراجعت ہو چکی ہے۔اس لئے انہوں نے لندن میں منعقدہ ترقی پسند ادبی کانفرنس میں آپ کو اس طریقے سے نہیں بلایا، جیسے بلانا چاہئیے تھا۔ان اختلافات کے بارے میں آپ کیا محسوس کرتے ہیں؟ان کے اور آپ کے درمیان کیسی کشمکش ہے؟"(١١)

حسن رضوی کے درج بالا ایک سوال میں کتنی ہی معلومات موجود ہے۔حسن رضوی ایک محنتی صحافی اور ایک پر جوش محقق تھے۔آپ مصاحبہ کرنے سے پہلے صاحب گفتگو ادیب کے متعلق مکمل معلومات حاصل کرتے اس کی ذاتی اور ادبی بزندگی کے مختلف پہلوؤں پر تحقیق کرتے اور اس تحقیق کے بعد انٹرویو لیتے۔آپ کے سوالات اس تمام تحقیق کو ظاہر کرتے ہیں جو آپ انٹرویو لینے سے پہلے معلومات جمع کرنے کے لیے کرتے ہیں اور آپ کے ذہن کے کشادہ اور وسیع ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کے علم وہنر کا بھی منہ بولتا ثبوت ہیں۔آپ کی زبان سے علم کے دریا رواں ہیں۔آپ اپنی نالج کی روشنی سے جہاں کو منور کیے ہوئے تھے۔"گفت وشنید "ایک ایسا چراغ روشن ہے جو جہل کے رستوں میں علم کی شمعیں جلانے میں مددگار ہے اور دور حاضر کے قارئین کے دل ودماغ کے در وا کرتا ہے۔

سوچنے کی بات ہے کہ گفت وشنید میں جہاں ایک سوال ہی اتنی معلومات کو لیے ہوئے ہے،وہاں جواب میں کتنی معلومات موجود ہو گی۔حسن رضوی ان مکالموں یا مصاحبوں کو جمع کرنا اور اسے منظر عام پر لانا ایک قابل تعریف کام ہے وگرنہ عوام بہت سی اہم معلومات سے محروم رہتی۔

انیس ناگی کے بقول:

"حسن رضوی صاحب! آپ کے بہت سے انٹرویوز میں نے پڑھے ہیں آپ لوگ بار بار لسانی تشکیلات کا ذکر کرتے ہیں لیکن آپ اسے صحیح معنوں میں استعمال نہیں کرتے۔یہ لفظ افتخار جالب نے اپنی کتاب ماخذ کے دیباچے میں استعمال کیا تھا۔لسانی تشکیلات سے ان کی مراد یہ تھی کہ ہم شاعری کو لفظوں کے ذریعے سمجھتے ہیں اور لفظ ایک مخصوص معنی تشکیل دیتے ہیں جہاں ہمیں ایک نئی واردات کی ضرورت ہے وہاں ہمیں ایک نئی زبان بھی تشکیل دینی ہے۔ہم پرانے محاورے میں نئے تجربات کی تشکیل نہیں کرسکتے،اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں ایک نئی زبان اور ایک نئے محاورے **کی ضرورت** ہے۔"(١٢)

حسن رضوی کے مصاحبے صرف روایتی اور سرسری مصاحبوں کی طرح نہیں ہوتے بلکہ ایک قسم کی معلومات کا تبادلہ اور اظہار خیال ہوتا جس میں ہر دوسرے سوال میں کوئی نہ کوئی معلومات اور ہر جواب میں کوئی نہ کوئی اہم معلومات موجود ہوتی ہے۔ان انٹریوز کو پڑھنے والے کا وقت کبھی بھی رائیگاں نہیں جاتا بلکہ اسے بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔ادب کی مختلف اصناف کا تعارف اور ادب کے مختلف پہلو اور ان کی تفصیل ان مصاحبوں میں موجود ہے۔

بخش لائل پوری اپنی معلومات کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

کمٹ منٹ سے مراد ہے کہ آپ کس فلسفہ حیات پر یقین رکھتے ہیں۔فلسفہ حایت بھی کئی ضمنی فلسفوں پر مشتمل ہے۔در اصل ١٩٣٦ء کی ترقی پسند تحریک نے ادیبوں کے اذہان میں ایسا انقلاب برپا کیا کہ ترقی پسند خیالات کے مخالفین بوکھلا اٹھے ۔استحصالی طبقوں کو اس تحریک کے سیل کو روکنے اور اس کے اثرات کو ختم کرنے کے لیے ایسے ادیبوں کی ضرورت پڑی جنہیں وہ اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر سکیں اور ترقی پسند تحریک کے آگے دیوار کھڑی کر سکیں۔چنانچہ انہیں کچھ کرائے کے لوگ مل گئے جنہوں نے ادب میں جدیدیت کا نعرہ بلند کر دیا اور فرمایا کہ ادیبوں کو صرف ادب برائے ادب

تخلیق کرے ایسے کسی نظریہ کا پابند نہیں ہونا چاہئیے۔ نظریہ سے ان کی مراد وہ اقتصادی فلسفہ ہے جسے کارل مارکس نے پیش کیا تھا۔"(۱۳)

ڈاکٹر آغا سہیل کہتے ہیں:

"ہندوستان میں تحقیق و تنقید کا پلہ بھاری ہے اور ہمارے ہاں تخلیق کا۔ ہم تخلیق کے نابر لگاتے چلے جاتے ہیں وہ تحقیقی و تنقید کے دفتر تیار کر رہے ہیں۔ نوع بشر اور انسانی جبلت ایک ہے اور اس حوالے سے جہاں تخلیق ہو گی وہاں تنقید آفاقی صداقت ہو گی، اس میں کوئی تقسیم اور تخصیص نہیں ہے ورنہ تہذیبی، ثقافتی، لسانی تفریق کے حوالے سے کہیں کہیں رنگوں کا فرق ہے جو ناگزیر ہے البتہ یہ بات ضرور ملحوظ رکھنا چاہیے کہ بھارت میں اردو ادب کی زندگی کے دن گنے چنے رہ گئے ہیں کہ نئی نسل کا ذریعہ اظہار اردو ادب نہیں ہر نیز یہ کہ اردو زبان اس اعتبار سے وہاں سکڑ اور سمٹ رہی ہے کہ اسکولوں اور کالجوں میں قریب قریب ختم ہو چکی ہے۔"(۱۴)

ادب سے متعلق سوالات:

حسن رضوی مصاحبہ کرتے ہوئے کوشش کرتے کہ زیادہ ذاتی نہ ہوں اور ایسے سوالات نہ پوچھیں جو دکھ یا تکلیف کا موجب ہے۔ گفت وشنید کے تمام مصاحبوں کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ حسن رضوی نے کبھی تکلیف دہ بات نہ کی، کبھی جذباتوں کو ٹھیس نہیں پہنچائی، ذاتی معلومات یا مخفی رازوں کو نہ کریدتے بلکہ وہ سوال پوچھتے جو ادب کے کام بھی آسکیں اور قارئین کے بھی۔ نہایت خلوص کے ساتھ آپ وہ سوالات پوچھتے جو زیادہ سے زیادہ علم پھیلانے کا ذریعہ ہو اس میں زیادہ تر سوالات ادبی زندگی سے متعلق ہوتے اور ادب کی خاص اصطلاحات کے متعلق آپ ہر شخص سے رائے لینا ضروری سمجھتے اور رائے دینے والا بھی اپنے اظہار خیال میں کنجوسی نہ کرتا بلکہ کھلے دل سے مفصل جواب دیتا رہا اور یہ کتاب گفت وشنید اور اس کے مصاحبے ادب کی دنیا میں ایک اہم شاہکار بن کر ابھری جس میں ذاتی معلومات کے ساتھ ساتھ ادبی معلومات کا بھی ذخیرہ ہے۔

اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

"س: ڈاکٹر صاحب یہ فرمائیے کہ کیا ادب اور تنقید کو سیاسی رجحانات کے تابع ہونا چاہئیے؟

ج۔۔ بالکل نہیں! میں آپ کی توجہ پریم چند کے جملے کی طرف کراتا ہوں، جو انہوں نے اپنے ۱۹۳۶ء کے خطبہ میں کہا تھا کہ ادب کوئی سیاست کے پیچھے چلنے والی چیز نہیں بلکہ وہ مشعل ہے جو سیاست کے آگے چلتی ہے کیونکہ سیاسی شعور رکھنے والے لوگ ان چیزوں تک بہت بعد میں پہنچتے ہیں۔ جن تک ادیب اور شاعر بہت پہلے پہنچ جاتا ہے۔"(۱۵)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

"س: ماضی میں پاکستان اور اسلامی ادب کی بحث چل نکلی تھی۔ کیا آپ ادب کو ایسے خانوں میں تقسیم کرنا مناسب خیال کرتے ہیں؟

ج۔۔۔ادب تو ادیب کے داخلی رد عمل سے مربوط چیز ہے اور ہر زمانے میں ادب کی صورتحال یہی رہی ہے۔ میرے خیال میں جب با ادب کو مختلف اصناف میں تقسیم کرتے ہیں، تو اسے آپ کوئی "آئرن جیکٹ" تو پہناتے نہیں ہیں۔ یہ تقسیم کی خاطر ہوتا ہے کہ اس میں فلاں چیز زیادہ نمایاں ہے۔ باقی جہاں ترقی پسند ادب میں ناقص، گھٹیا اور محض پروپیگنڈے کی چیزیں لکھی گئی ہیں، اور وہ ادب نہیں ہیں اسی طرح اسلام کے نام پر بھی جو چیزیں لکھی گئی ہیں وہ ساری کی ساری ادب میں شمار نہیں کی جا سکتیں، کچھ پراپیگنڈہ ہے اور کچھ ادب ہے۔ یہ تو فنکار کی صلاحیتوں پر منحصر ہے اور اس رد عمل پر منحصر ہے، جس کا اظہار وہ کسی خاص صورتحال میں کرتا ہے۔ "(١٦)

آہستہ آہستہ اردو ادب میں انٹرویو کی کتابوں میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے لیکن یہ مشہور ادیبوں کے انٹرویو کی ایک منفرد اور نایاب کتب ہے، دوسری کتب میں نہ تو ایسے مصاحبے دیکھنے کو ملتے ہیں، نہ ہی ایسے منفرد سوالات اور نہ ہی اتنے سادہ و دلکش جواب پائے جاتے ہیں۔ یہ انٹرویوز ادبی زندگی اور ادب سے متعلق مشکلات کو سمجھنے کے لیے پڑھنے بہت ضروری ہیں اور ان کے مطالعہ سے ہم ابی زندگی اور ادبی سفر کی مشکلات و آسانیاں اور اس سفر کے اہم رازوں سے واقف ہو جاتے ہیں۔ یہ اپنی نوعیت کی ایک شاہکار کتب ہے جس میں مختلف انداز بیاں اور زبان و بیان کی چاشنی دلکشی کو بڑھاتی ہے اور قارئین کی دلچسپی کا محرک ہے۔

لب ولہجہ:

گفت و شنید کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں لب و لہجہ شائستہ ہے اور ادب و احترام کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ حسن رضوی نے انٹرویو لیتے وقت نہایت ادب سے شائستہ لہجہ اور شائستہ زبان کا استعمال کیا ہے اور جس ادب سے انہوں نے کوئی سوال پوچھا جواب دہندہ نے اتنی ہی خوبصورتی اور احترام سے جواب بھی دیا۔ آپ تم یا تو کر کے بات کرنے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ کوئی آپ سے عمر میں چھوٹا ہوتا یا اسے "آپ" کہہ کر ہی پکارتے تھے

حسن رضوی رقم طراز ہیں:

"آپ کا کہنا ہے کہ مرد نے عورت کو ایک ہی حوالے سے سمجھا ہے۔ آپ کے اپنے اشعار بھی اسی رویئے کی گواہی ہیں۔ آپ نے بھی مرد کو اسی عورت کی یاد دلائی۔ ایک طرف آپ خود مرد و عورت کا وہی احساس دلا رہی ہیں اور پھر دوسری عورت کی ذات کی بات کر رہی ہیں؟"(١٧)

حسن رضوی کا صبر و شکر گفت و شنید کے مصاحبے پڑھنے سے سامنے آجاتا ہے جس میں اپ نے نہایت مؤدبانہ لہجے کو اپنا شعار بنایا اور دوسرے نوجوانوں کو ایک پیغام دیا کہ آپ جس بھی مقام تک پہنچ جائیں ادب کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیں کیونکہ ادب ہی بندہ مومن کی پہچان ہے۔ اور با ادب ہی بامراد ہوتا ہے۔ تمیز اور سلیقہ ہر کام کے لیے اہم ہے اور ہر قسم کی کامیابی اس کے بنا ناممکن ہے۔ حسن رضوی کے انداز بیان میں یہ تمام عناصر موجود تھے، اس لیے ان کے انٹرویو نہ صرف لطیف بلکہ پر سکون محسوس ہوتے ہیں اور قارئین کے اذہان پر مثبت اثرات مرتب کرتے ہیں۔ آپ کوئی چیز دریافت کرتے وقت ہمیشہ فرمائیے، دیکھیے، بتائیے جیسے الفاظ کا استعمال کرتے ہیں جو اپنے اندر احترام کے عنصر کو سموئے ہوئے ہیں۔

وارث علوی سے مخاطب ہیں:

"جناب وارث علوی صاحب! میں آپ سے درخواست کروں گا کہ قارئین کے لیے آپ اپنے فن اور تخلیقات پر کچھ روشنی ڈالیں۔"(١٨)

حسن رضوی کی سب سے بڑی خاصیت یہ ہے کہ آپ نے کسی کی بے ادبی یا حرمتی یا شرمندہ کرنے کی نیت سے کبھی کوئی سوال نہیں پوچھا، نہ طلاق سے متعلق نہ ہی اس کے ذاتی تعلقات سے متعلق کبھی سوال کیا۔ہاں اگر کسی کے ذاتی معاملات پہلے سے پبلک ہو چکے ہیں اور بتانے والا بھی اس پر ڈسکس کرتے ہوئے ہچکچاتا نہیں ہے تو تب حسن رضوی بھی اس معاملے پر سوال اٹھائیں گے و گرنہ وہ کسی ذاتیات پر نہیں جاتے۔ لہٰذا گفت و شنید ادبی مصاحبوں کی ایک اہم کتاب ہے اور اس میں ادبی ستاروں کی بہت سی معلومات پنہاں ہے۔اور یہ ادب میں ایک خاص مقام رکھتی ہے اور چاہ کر بھی اس کی اہمیت و افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

## حوالہ جات


۱۔ حسن رضوی، گفت و شنید، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء)، ص ۹

۲۔ ایضاً

۳۔ ایضاً، ص ۱۱

۴۔ ایضاً، ص ۵۰

۵۔ ایضاً، ص ۱۳

۶۔ ایضاً، ص ۴۵

۷۔ ایضاً، ص ۴۶

۸۔ ایضاً، ص ۱۵۳

۹۔ ایضاً، ص ۱۲۱

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۷

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۹

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۳۲

۱۳۔ ایضاً، ۱۴۴

۱۴۔ ایضاً، ۱۹۸

۱۵۔ ایضاً، ص ۵۰

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۹۲

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۶۷

۱۸۔ ایضاً، ص ۱۲۱